قدیم اسلامی نظام تعلیم کی ایک جھلک

از

جناب سید محبوب صاحب رضوی

اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ یا تعلیم گاہ مسجد نبوی ہے، یہیں وہ مشہور چبوترہ تھا جو تاریخ میں "صفہ" کے نام سے موسوم ہے، یہاں جو حضرات فروکش ہوتے تھے وہ "اصحابِ صفہ" کہلاتے تھے، اُن کی تعلیم کے لئے معلم مقرر تھے، اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے جب کہیں مُبلغ بھیجنا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے تھے، [1]

"صفہ" کے رہنے والوں کی خبر گیری اہل ثروت صحابہ کے سپرد تھی، اسلام کی اس پہلی تعلیم گاہ میں مختلف اوقات میں طلباء کی تعداد کم و بیش ستر اسّی تک پہنچ جاتی تھی، ان میں کچھ تو دن میں جنگل سے لکڑیاں لاکر اور اُن کو بیچ کر اپنا کام چلاتے تھے اور رات کو پڑھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر اصحاب ثروت و وسعت کی جانب سے ان کی امداد بھی ہوتی تھی، انحضرت صلعم براہ راست بھی ان لوگوں کے کھانے پینے کا لحاظ رکھتے تھے، انہی "اصحاب صفہ" میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ کام سپرد تھا کہ جو امداد ان لوگوں کے لئے آتے اس کی حفاظت کریں اور بحصّہ مساوی اُس کو اُن میں تقسیم کر دیں،

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تعلیم و تدریس کی جو اہمیت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو آپ نے وہاں صحابہ کرامؓ کے دو حلقے دیکھے، ایک حلقہ میں لوگ تلاوت و دعاء میں مشغول تھے، اور دوسرے حلقہ میں قرآن مجید کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا، آپ نے فرمایا:۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۳۳

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں

یہ فرما کر قرآن مجید کے حلقۂ درس میں تشریف فرما ہو گئے، [1]

یہ واقعہ قیامِ مدینہ کے زمانہ کا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کو اسلام کی درسگاہ بننے کی اولیت کا شرف ہجرت سے قبل ہی حاصل ہو چکا تھا، چنانچہ ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مُصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن اُمِ مکتومؓ کو مدینہ میں مامور فرما دیا تھا، جہاں یہ دونوں حضرات انصار کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے، [2]

قرآن مجید کے مکاتب | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد تک صحابہ کرام کی تمام تر توجہ قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے پر مرکوز رہی، حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حجاز اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن مجید کی تعلیم کے لئے مستقل حلقے اور مکاتب قائم کئے، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عُبادہ بن صامتؓ اور حضرت ابو درداءؓ کو شام اور فلسطین میں متعین فرمایا تاکہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں، [3] طبقات القراء میں علامہ ذہبی نے حضرت ابو درداءؓ کے حالات میں اُن کا طرزِ تعلیم یہ بیان کیا ہے کہ ابو درداءؓ صبح کو نماز پڑھکر جامع دمشق میں بیٹھ جاتے تھے اور گرد قرآن مجید پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا، حضرت ابو درداءؓ دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے، ہر جماعت پر ایک نائب مقرر ہوتا۔ جو ان کو قرآن مجید پڑھاتا تھا، خود جماعتوں کے درمیان ٹہلتے رہتے اور کان پڑھنے والوں پر لگے رہتے تھے، طالب علم جب پورا قرآن مجید یاد کر لیتا تو حضرت ابو درداءؓ براہ راست اُس کو اپنی شاگردی میں لے لیتے، ایک مرتبہ حضرت ابو درداءؓ نے گنوایا تو معلوم ہوا کہ اُن کے حلقۂ درس میں سولہ سو ۱۶۰۰ طالب علم موجود ہیں۔

ابن جوزیؒ نے سیرت العمر میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو مکاتب قائم کئے تھے ان میں معلمین

---

[1] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء [2] صحیح بخاری کتاب التفسیر [3] اسد الغابہ جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۰۶۔

کی تنخواہیں مقرر تھیں، اور ہر معلم کو پندرہ، پندرہ درہم ماہانہ تنخواہ بیت المال سے ملتی تھی، [1]

یہ مکاتب جو ابتداً قرآن مجید کی تعلیم کے لئے قائم کئے گئے تھے آگے چل کر اُن میں ادب، لغت اور شعر وغیرہ کی تعلیم بھی دی جانے لگی، خود حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے عَلِّمُوْا اَوْلَادَکُمُ الشِّعْرَ تم اپنی اولاد کو شعر کی تعلیم دو! حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان مکاتب کو اور زیادہ وسعت حاصل ہوئی اور تمام ممالکِ مفتوحہ میں جابجا مکاتب اور مدارس قائم ہوگئے، یہ انتظام قرآن مجید اور چھوٹے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے متعلق تھا،

درس حدیث کے حلقے قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت ہی میں حدیث کی تعلیم کے لئے اجلۂ صحابہؓ کو مامور کیا گیا، چنانچہ مختلف شہروں میں درسِ حدیث کے حلقے قائم ہوگئے، حضرت عمرؓ نے اس کام کے لئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو ایک گروہ کے ساتھ کوفہ اور معقل ابن یسارؓ عبیداللہ ابن معقلؓ اور عمران بن حصینؓ کو بصرہ اور عبادۃ بن صامتؓ اور ابو درداؓ کو شام میں مقرر فرمایا، اور لوگوں کو تاکید کی کہ اُن سے حدیث کی تحصیل کریں، [2]

اس باب میں مدینہ طیبہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، خاص مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کا حلقۂ درس قائم تھا، [3] مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا حلقۂ درس بھی بہت وسیع تھا روزانہ بے شمار طالبانِ علم اُن کے خرمنِ کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس وتدریس کے لئے وقف تھا، اور شب و روز تعلیم وتعلّم اور علمی مذاکروں میں صرف ہوتے تھے، اُن کے درس کی ایک یہ خصوصیت بھی تھی کہ مختلف اوقات میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم دیتے تھے، [4]

یہ حلقے جو ابتداً قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے قائم ہوئے تھے بعد میں دوسرے علوم وفنون کے لئے بھی عام ہوگئے، چوتھی صدی تک حدیث وتفسیر، فقہ اور دوسرے علوم وفنون کی تعلیم وتعلم کا یہی طریقہ رائج رہا۔ یہ علمی حلقے بالعموم مساجد کے صحنوں میں ہوتے تھے، ان حلقوں کی روز افزوں وسعت اور

---

[1] سیرت العمر لابن جوزی بحوالہ الفاروق حصہ دوم صیغہ مذہبی
[2] ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۶
[3] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۸۰۔
[4] مہاجرین ذکر عبداللہ ابن عباسؓ

اس زمانہ کے ذوقِ علم کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک استاذ کے حلقۂ درس میں تیس تیس ، اور چالیس چالیس ہزار شاگردوں کا مجمع ہوتا تھا ، جب عمارتوں اور مساجد کے وسیع صحن ناکافی ثابت ہونے لگے تو اساتذہ کو وسیع میدانوں میں چبوتروں پر بیٹھ کر درس دینا پڑتا تھا ، استاذ کی آواز شاگردوں تک پہنچانے کے لئے تین تین سو مستملی کھڑے ہوتے تھے ، ابو مسلمؒ نے جب بغداد کے ایک میدان میں درسِ حدیث دیا تو اُن کے حلقہ میں چالیس ہزار طلباء شریکِ درس تھے ، [1] فتنۂ خلق قرآن کے فرو ہونے کے بعد جب مشہور محدث ابوبکر ابن ابی شیبہؒ نے جامع رصافہ بغداد میں اپنا درس حدیث جاری کیا تو اول ہی مجلس میں تیس ہزار طلبائے حدیث موجود تھے ، [2] علامہ ابن خلکان نے شیخ ابو حامد اسفرائینی کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی مجلس میں تین سو سے زائد فقہاء اور سات سو طالب علم صرف فقہ پڑھنے والے حاضر رہتے تھے امام بخاریؒ نے بصرہ کی جامع مسجد میں جب مجلس املاء منعقد کی تو عام لوگوں کے علاوہ ایک ہزار کے قریب محدثین و فقہاء اور علماء شامل تھے ، خود امام بخاریؒ سے براہِ راست جن لوگوں نے صحیح بخاری کی سند حاصل کی ان کی تعداد فربری (امام بخاریؒ کے شاگرد) کے قول کے مطابق نوے ہزار کے قریب ہے [3] بعض اوقات تو یہ تعداد حدِ شمار سے بھی متجاوز ہو جاتی تھی چنانچہ عاصم بن علی کے متعلق جو امام بخاریؒ کے راویوں میں ہیں علامہ ذہبی نے یہاں تک لکھا ہے کہ وہ بغداد کے جس میدان میں حدیث کا املاء کراتے تھے اس کی پیمائش سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ایک لاکھ سے زائد طالبانِ حدیث ان کی مجلس میں شریک ہوتے تھے [4]

طریق تعلیم | اس زمانہ کا طریق تعلیم بالعموم یہ تھا کہ استاذ جس علم کی تعلیم دیتا اُس کے مسائل زبانی بیان
ور توجہ سے استاذ کی تقریر سنتے اور یاد رکھتے ، حافظہ کی قوت کی یہ کیفیت تھی کہ
ن لی مدت العمر نقش کالحجر رہتی ، حتیٰ کہ متعلم کے الفاظ تک بعینہٖ حافظہ کی لوح میں
ے ، امام بخاریؒ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک روز حاشد بن اسمٰعیل نے جو امام بخاری

---

[1] مقالات شروانی صفحہ ۵ [2] تاریخ الخلفاء سیوطی حالات المتوکل علی اللہ [3] تاریخ خطیب بغدادی تذکرہ امام بخاری [4] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل صفحہ ۲۶۳ ، ۲۶۴

کے ساتھ حدیث کی تحصیل کرتے تھے، امام بخاریؒ سے کہا کہ "تم حدیث لکھتے نہیں ہو یاد رہنا مشکل ہے"! امام بخاری نے جواب دیا "تمہاری یادداشت کہاں ہے؟ لاؤ ذرا مقابلہ کرکے دیکھیں۔ حاشد کہتے ہیں کہ اُس وقت تک میں نے ۱۵ ہزار حدیثیں قلم بند کی تھیں، امام بخاریؒ نے ان تمام احادیث کو ترتیب وار جس طرح اساتذہ سے سنا تھا بعینہٖ مجھے زبانی سنا دیا، اُن کے روایت کرنے میں ایک لفظ تک مؤخر و مقدم نہ تھا،[1] اساتذہ کی تقریر قلم بند کرنے کا رواج دوسری صدی کے اواخر سے شروع ہو گیا تھا، امام مالک کی مجلس میں بھی یہ طریقہ رائج تھا، امام مالکؒ درس سے فراغت کے بعد شاگردوں سے اُن نوشتوں کو خود سنتے تھے، شاگردوں نے اگر کہیں غلطی کی ہوتی تو اُس کی تصحیح فرما دیتے اور اگر کوئی مسئلہ مزید حل و تشریح کا محتاج ہوتا تو اُس کی وضاحت فرما دیتے تھے، عبارت کی قرأت کبھی شاگرد کرتے اور کبھی قرأت بھی خود ہی فرماتے تھے،

یہ طریقِ تعلیم املا کہلاتا تھا اور اس طرح جو مجموعہ تیار ہوتا وہ امالی کے نام سے موسوم ہوتا تھا، چنانچہ امالی لابی القالی، اور امالی للشریف مرتضیٰ اسی قسم کی تصنیفات ہیں، فراء نحوی (متوفی ۲۰۷ھ) کی معانی القرآن اور ابن دُرَید (متوفی ۳۲۱ھ) کی کتاب الجمہرہ جو لغت میں ہے اسی طریق پر جمع کی گئی ہیں،

مسلمانوں کی علمی تاریخ میں چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک اگرچہ باقاعدہ اصطلاحی مدارس کے قیام کا پتہ نہیں چلتا مگر اس کے باوجود یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اس چار سو سالہ طویل مدت میں کوئی قابلِ ذکر اسلامی آبادی نہیں ملتی جس میں درس و تدریس کے ذاتی اور شخصی حلقے موجود نہ ہوں، در اصل اس زمانہ کی علمی تاریخ کو سمجھنے کے لئے اس نکتہ کا پیش نظر رہنا نہایت ضروری ہے جس کے بغیر تاریخ کا کوئی طالب علم حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں علم آج کل کی طرح مدارس کے احاطہ، دیواروں اور ضوابط کی قید و بند میں مقید نہ تھا بلکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، مدارس کے لئے مستقل عمارتیں بنانے کے بجائے اس زمانہ میں زیادہ تر یہ کام مسجدوں کے صحن، خانقاہوں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۳۵

کے حجروں اور علماء کے مکانات اور وسیع میدانوں سے لیا جاتا تھا، تعلیم مفت ہوتی تھی حتی کہ غریب طلباء کے کھانے، کپڑے اور لکھنے پڑھنے کی ضروریات بغیر کسی معاوضہ کے مہیا کی جاتی تھیں، اس عہد کے علمی حلقوں کی یادگاروں میں اب صرف دو یادگاریں باقی ہیں، پہلی ٹیونس کی جامع زیتون ہے جو تیرھویں صدی میں قائم ہوئی تھی، یہ درس گاہ اُس زمانہ کے عام طرز کے مطابق ٹیونس کی جامع اعظم میں واقع ہے اور شروع سے اب تک خاص شہرت و عظمت کی مالک رہی ہے،

دوسری یادگار مصر کا جامع ازہر ہے، یہ عظیم الشان جامع مسجد، فاطمی سلاطین مصر کے زمانے کی یادگار ہے، جامع ازہر کی عمارت کی تکمیل ۳۶۱ھ میں ہوئی ہے، مگر اس کی علمی زندگی کی ابتداء چوتھی صدی کے اواخر سے ہوتی ہے، مسجد کا وسیع صحن اور اندرونی حصہ قدیم طرز کے علمی حلقوں کی درس گاہوں کے طور پر کام میں آتا ہے، جامع ازہر ہمارے زمانہ میں اسلامی دنیا کا سب سے بڑا اور قدیم دارالعلوم ہے جو ایک ہزار سال سے جاری ہے، اور آج جبکہ تمام قدیم اسلامی مدارس صفحۂ ہستی سے محو ہو چکے ہیں یہ دارالعلوم اپنی اُسی قدیم شان و شوکت کے ساتھ باقی ہے، دس پندرہ ہزار طلباء اس میں ہر سال زیر تعلیم رہتے ہیں، اور سینکڑوں اساتذہ تعلیم کے لئے مقرر ہیں، شیخ الازہر کا منصب علم و فضل اور اپنے اقتدار کے لحاظ سے مصر کی وزارت عظمیٰ سے بڑھکر سمجھا جاتا ہے، جامع ازہر کے مصارف کے لئے مصر کے مختلف سلاطین نے جو جاگیریں وقف کی ہیں ان کی سالانہ آمدنی لاکھوں پونڈ ہے، ابھی قریبی زمانہ میں دوسری جنگ سے کچھ پہلے مصر کے موجودہ تاجدار شاہ فاروق نے اپنی جیب خاص سے ساٹھ ہزار مصری پونڈ جامع ازہر کو عطا کئے ہیں۔

اس سے قبل کی ذاتی اور شخصی درسگاہوں نے علوم و فنون کی جو مہتم بالشان خدمات ں پر اگر بڑے بڑے دار العلوم رشک کریں تو بے جا نہیں ہے، مؤرخین اس زمانے کو م و فنون کے "عہد شباب" سے تعبیر کرتے ہیں! اسماء الرجال، طبقات، تذکرہ اور تراجم کی جو بے شمار کتابیں آج موجود ہیں ان سے فی الجملہ اس کا اندازہ ہو سکتا ہے، اسلامی تاریخ کا ایک مشہور مؤرخ لکھتا ہے کہ "اگرچہ انقلابات زمانہ اور گردش روزگار نے ہزاروں لاکھوں اہل علم کے

حالات تاریخ کے اعتبار سے محو کر دیتے ہیں، تاہم ہر ہر عہد میں سینکڑوں ہزاروں ماہرین فن اور مجتہدین علوم کے حالات ملتے ہیں، یورپ کے ایک محقق ڈاکٹر اسپرنگر کا تخمینہ ہے کہ مسلمانوں کے اسماء الرجال میں پانچ لاکھ مشہور علماء کے حالات موجود ہیں، اس سے مسلمانوں کے ذوق علم کا فی الجملہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہل علم میں کس نسبت سے ایک صاحب کمال پیدا ہوتا ہے۔"

یہ کیفیت علوم فنون کی اصطلاحی مدارس کے قیام سے قبل کی ہے!

مدارس کی ابتداء اسلام کی علمی تاریخ میں موجودہ شکل کے باقاعدہ مدارس کی ابتداء پانچویں صدی کے اوائل سے ہوتی ہے، عام خیال یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ نظام الملک طوسی نے بغداد میں قائم کیا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ قدرت کی جانب سے اس اولیت کا شرف غزنی کے نامور فرمانروا سلطان محمود غزنوی کے لئے مقدر تھا، [1] اس کی تفصیل یہ ہے کہ سنہ ۴۱۰ھ میں سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایہ تخت غزنی میں ایک جامع مسجد تیار کی جو اپنی نفاست اور خوبصورتی کے لحاظ سے "عروس فلک" کے نام سے موسوم کی جاتی تھی، مسجد کے ساتھ سلطان نے ایک عظیم الشان مدرسہ بھی تعمیر کرایا تھا، مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ بھی تھا جو نادر الوجود کتب سے معمور تھا، مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے سلطان نے بہت سے دیہات وقف کر دئے تھے، ابو القاسم فرشتہ لکھتا ہے کہ:-

و در جوار آن مسجد مدرسہ بنا نہادہ و بنفائس کتب و غرائب نسخ موشح گردانیدہ، دیہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود [2]	مسجد سے ملحق ایک عظیم الشان مدرسہ قایم کیا اور اس کے کتب خانے کو بہترین اور نادر الوجود کتابوں سے معمور کیا مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لئے بہت سے دیہات وقف کر دئے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیرؒ کی روایت کے مطابق مصر کے حکمران الحاکم بامر اللہ کے عہد حکومت (۳۸۶ھ - ۴۱۱ھ) میں بھی اگرچہ اس قسم کے ایک مدرسہ کا سراغ ملتا ہے، جس میں حکومت کی جانب سے محدثین اور فقہا تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے تھے مگر دو تین سال کے بعد خود اسی نے اس مدرسہ کو منہدم کرا دیا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۱۱ ص ۲۴۳ اور حاشیہ تاریخ الکامل حالات ۴۰۰ھ

[2] تاریخ فرشتہ جلد اول حالات سلطان محمود غزنوی

سلطان محمود کی اس مثال سے امرا اور ارکان دولت کو بھی مدارس قایم کرنے کا شوق دامن گیر ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں غزنی کے اطراف و جوانب میں بے شمار مدرسے قایم ہو گئے، فرشتہ کا بیان ہے:

"بمقتضائے الناس علی دین ملوکہم ہر یکے از	بمقتضائے الناس علی دین ملوکہم امرا اور اعیان سلطنت
امرا و اعیان دولت بہ بنائے مسجد و مدارس	کو بھی یہ شوق دامنگیر ہوا اور تھوڑے ہی زمانہ میں بے شمار
و رباطات و خوانق مبادرت نمودند"[1]	مسجدیں، مدرسے، سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہو گئیں

سلطان محمود غزنوی کے فرزند سلطان مسعود نے بھی اپنے عہد حکومت میں بکثرت مدارس قایم کئے، فرشتہ لکھتا ہے۔

"در اوائل سلطنت او در ممالک محروسہ چنداں	سلطان مسعود نے اوائل سلطنت میں تمام ممالک محروسہ میں
مدارس و مساجد بنیاد نہادند کہ زبان از تعداد آں	اس قدر کثرت سے مسجدیں اور مدرسے تعمیر کرائے کہ زبان
عاجز و قاصر است"	ان کا شمار کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔

روضۃ الصفا کا مصنف لکھتا ہے کہ "سلطان مسعود نے ممالک محروسہ کے مختلف حصوں میں اس قدر کثرت سے مساجد اور مدارس تعمیر کرائے کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے"[2]

اسی زمانہ میں ابن خلکان کی روایت کے مطابق علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی (المتوفی ۴۱۸ھ) کے لئے نیشاپور میں ایک مدرسہ قایم ہوا[3]

مدرسہ نظامیہ ان مدارس کے قیام کے کچھ ہی عرصہ کے بعد دولت سلجوقیہ کے مشہور علم دوست وزیر، نظام الملک طوسی (المتوفی سنہ ۴۸۵ھ) نے نیشاپور اور بغداد میں وہ مشہور دار العلوم قایم کئے جو تاریخ کے اوراق میں "نظامیہ" کے نام

امیہ کے قیام سے قبل اسی نیشاپور میں سعدیہ اور بیہقیہ کے نام سے دو بڑے دار العلوم موجود

د غزنوی کے بھائی امیر نصر نے قایم کیا تھا[4] امام الحرمینؒ نے جو امام غزالیؒ کے استاذ ہیں

ی، امام الحرمین جب نظامیہ قایم ہوا تو اس کے صدر مدرس بنائے گئے[5]، امام غزالیؒ جیسے یگانہ

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول حالات سلطان محمود غزنوی [2] فرشتہ و روضۃ الصفا ذکر سلطان مسعود [3] ابن خلکان جلد اول تذکرہ علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی [4] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶

روزگار عالم اسی مدرسہ کے خوشہ چینیوں میں ہیں، جس شان وشوکت کے ساتھ نظامیہ عالم وجود میں آیا اس نے تمام قدیم مدارس کو نظروں سے اس طرح محو کر دیا کہ گویا اس سے پہلے کوئی دار العلوم بنا ہی نہ تھا، چنانچہ اسی لئے عام خیال یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں سب سے پہلا مدرسہ نظامیہ ہے، اس شہرت کا سبب دراصل اس کی عظمت وشوکت ہے، ورنہ اس سے قبل ممالک اسلامیہ میں بہت سے مدارس قایم ہو چکے تھے

نظام الملک نے نہ صرف نیشاپور اور بغداد ہی میں دار العلوم قایم کئے بلکہ اُس نے عام حکم دے دیا تھا کہ تمام ممالک محروسہ میں جس جگہ کوئی ممتاز عالم موجود ہو وہاں اس کے لئے ایک مدرسہ اور مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ قایم کیا جائے، چنانچہ اس کے زمانہ میں سینکڑوں ہزاروں مدرسے اور کتب خانے قایم ہو گئے نظام الملک کی علمی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ اس نے اس دار العلوم کے لئے جو بغداد میں قایم کیا تھا تیس لاکھ روپے (چھ لاکھ دینار) کی گراں قدر رقم تو شاہی خزانہ سے مقرر کرائی تھی اور خود اپنی جاگیر کا دسواں حصہ اس کے لئے وقف کر دیا تھا، مختلف اوقات میں چھ ہزار طلباء اس دار العلوم سے بہرہ اندوز ہوئے۔ غریب طالب علموں کے لئے وظائف کا انتظام کیا جس کا اس سے پہلے رواج نہ تھا، اساتذہ کے لئے بیش قرار مشاہرے مقرر کئے، ۴۵۷ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور ۴۵۹ھ میں افتتاح عمل میں آیا، مؤرخین کا بیان ہے کہ افتتاح کے وقت سارا بغداد امنڈ آیا تھا، علامہ ابو اسحٰق شیرازی اس کے صدر مدرس مقرر کئے گئے خلفائے بغداد کی علمی فیاضیاں نظامیہ کے مصارف کی کفیل تھیں نظامیہ کے قیام کے زمانہ میں علماء کے لئے اس کی مدرسی بڑے فخر وامتیاز کی چیز سمجھی جاتی تھی دو سو سال کی مدت میں اس کی مدرسی کے منصب پر کوئی ایسا شخص مقرر نہیں ہوا جو اپنے زمانہ میں یگانۂ روزگار نہ سمجھا جاتا ہو، امام غزالیؒ، ابن الخطیب تبریزی شارح حماسہ وغیرہ کو اس کی مدرسی کا شرف حاصل ہے اس کے اخیر زمانہ کے طلباء میں شیخ سعدی شیرازی جیسے یگانۂ روزگار عالم ہیں۔

نظام الملک کی علمی فیاضیاں اس قدر بے پناہ تھیں کہ ملک شاہ سلجوقی کو تشویش ہوئی اور نظام الملک سے کہا کہ "اس قدر زر کثیر سے تو ایک جرار فوج تیار ہو سکتی ہے، جن لوگوں پر آپ یہ فیاضیاں کر رہے ہیں

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صـ۱۵۶

ان سے کیا ایسا بڑا کام نکل سکتا ہے؟" نظام الملک نے جواب دیا "میں تو بوڑھا آدمی ہوں لیکن آپ ایک نوجوان ترک ہیں اگر بازار میں بیچنے کے لئے کھڑا کیا جائے تو امید نہیں کہ تیس دینار سے زیادہ قیمت اٹھ سکے اس کے باوجود خدا نے آپ کو اتنا بڑا ملک عطا کیا ہے کیا آپ اس کا اتنا شکریہ بھی ادا نہیں کرسکتے؟ آپ کی فوج کے تیر صرف چند قدم پر کام دے سکتے ہیں، لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں اس کی دعاؤں کے تیر آسمان کی سیر سے بھی نہیں رک سکتے۔" ملک شاہ بے ساختہ بول اٹھا "مرحبا! ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہوں اور تیار کرنی چاہئیں[1] نظامیہ کے علاوہ بغداد میں بڑے بڑے تیس دار العلوم اور موجود تھے علامہ ابن جبیر نے ان مدارس کی عظیم الشان عمارتوں کی نسبت لکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک مدرسہ بجائے خود ایک مستقل آبادی معلوم ہوتا ہے[2]

المستنصریہ | ۶۳۱ھ میں خلیفہ المستنصر باللہ عباسی نے بغداد میں ایک عظیم الشان دار العلوم "المستنصریہ" کے نام سے قائم کیا۔ یہ دار العلوم اپنی بعض خصوصیات میں تمام گذشتہ مدارس سے سبقت لے گیا، بڑے بڑے محدثین، مذاہب اربعہ کے فقہا اور علوم و فنون کے ماہرین اس کے مدرس مقرر کئے گئے، طلباء کے قیام و طعام کاغذ قلم دوات کے مصارف کا تمام بار حکومت کے ذمہ تھا، دسترخوان پر کھانے کے ساتھ شیرینی اور خواکہات بھی رکھے جاتے تھے، اس کے علاوہ ایک ایک دینار (تقریباً پانچ روپے) ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، طلبار کے علاج کے لئے طبیب مقرر تھے اور دار العلاج سے دوائیں مفت دی جاتی تھیں، مستنصر باللہ نے اس مصارف کے لئے ایک بہت بڑا وقف مقرر کیا تھا۔ کتب خانہ کے لئے نہایت نادر اور نفیس کتابیں دور دور سے لاکر جمع کی گئیں[3] مشہور سیاح ابن بطوطہ جب مستنصریہ میں

اکا یہ طریقہ دیکھا کہ استاذ کے دائیں اور بائیں دو معید بیٹھے ہیں جو استاذ کی تقریر کو

س طرح پر جو طلبار فاصلہ پر ہوتے ہیں وہ استاذ سے بعد کے باوجود اس کی تقریر

سے [illegible] ہے، معید کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنے معاصر طلبار میں سب سے زیادہ لائق اور بالیاقت ہو[4]

---

[1] مدرسہ نظامیہ کے حالات کا اکثر حصہ علامہ شبلی کے رسالہ اسلامی مدارس صـ۳۵۲ و صـ۳۵۳ سے ماخوذ ہے [2] سفرنامہ ابن جبیر مطبوعہ لیڈن حالات بغداد۔ [3] تاریخ الخلفاء حالات خلیفہ مستنصر باللہ عباسی [4] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول صـ۱۴۷

ترکی کے مدارس | ۸۶۵ھ میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ میں ایک بڑا دارالعلوم قایم کیا جس کے ماتحت ملک میں آٹھ بڑے بڑے مدرسے تھے، علامہ علاء الدین طوسی، خواجہ زادہ، ملا عبدالکریم جیسے مشاہیر علما اس کے مدرس مقرر کئے گئے، سو سو درہم یومیہ ان کی تنخواہیں مقرر تھیں، سلطان خود بھی درس میں شریک ہوتا تھا ایک مرتبہ علامہ علاء الدین طوسی کے درس میں حاضر ہوا، شرح عضد کا درس ہو رہا تھا علامہ کی حسن تقریر سے ایسا متاثر ہوا کہ رہ رہ کر کھڑا ہو جاتا تھا، درس ختم ہوا تو دس ہزار درہم علامہ کو اور پانسو درہم طلبا، کو نذر کئے[1]

قسطنطنیہ ۸۵۷ھ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا اس لئے ترکی مدارس کے سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہنی چاہیئے کہ وہاں تعلیمی نظام کی یہ وسعت صرف سات آٹھ سال کی قلیل ترین مدت میں پیدا ہو گئی تھی، اس سے ترکی کے مدارس کی آئندہ ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے!

ہندوستان | ہندوستان میں اسلامی حکومت کا مستقل قیام ساتویں صدی ہجری کے اوائل (قطب الدین ایبک ۶۰۲ھ - ۶۰۶ھ) سے شروع ہوتا ہے اس پر بمشکل ایک صدی گزری تھی کہ ہندوستان علوم وفنون کا گہوارہ بن چکا تھا۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ - ۷۵۲ھ) کے زمانہ کی دہلی کی نسبت بیان کیا ہے کہ:-

> ”سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی کے اندر ایک ہزار اسلامی مدارس قایم تھے جن میں شوافع کا بھی ایک مدرسہ تھا مدرسین کے لئے شاہی خزانہ سے تنخواہیں مقرر تھیں، تعلیم اس قدر عام تھی کہ کنیزیں تک حافظ قرآن اور عالم ہوتی تھیں، مدارس میں علوم دینیہ کے ساتھ معقولات اور ریاضی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی خود سلطان بڑا فاضل اور علم دوست بادشاہ تھا، قرآن مجید کے علاوہ اکثر فنون کی کتابیں حفظ یاد تھیں، ہدایہ کی چاروں جلدیں تو برنوک زبان تھیں[2]

صبح الاعشیٰ کا مصنف قلقشندی المتوفی ۸۲۱ھ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”ہندوستان کے پایہ تخت دہلی میں اس وقت ایک ہزار مدرسے جاری تھے[3]

---

[1] اسلامی مدارس ص ۳۸۶ و ص ۳۸۷ [2] کتاب الخطط مقریزی جلد ۲ ص ۱۳۲ [3] صبح الاعشیٰ جلد ۵ ص ۶۹

فیروز شاہ تغلق نے جس شان کے مدارس تعمیر کرائے اس کا اندازہ ضیا برنی کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے وہ لکھتا ہے کہ

دہلی کا یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت، خوبی عمارت، محل و توقع، حسن انتظام اور تعلیم کی عمدگی کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتا، مصارف کے لئے شاہی وظائف مقرر ہیں، پایۂ تخت دہلی کی کوئی عمارت حسن تعمیر اور موقع و محل کے لحاظ سے مدرسہ فیروز شاہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی! مدرسہ کی عمارت بہت وسیع ہے اور ایک بہت بڑے باغ کے اندر تالاب کے کنارے واقع ہے، ہر وقت سینکڑوں طلباء اور علماء و فضلاء یہاں موجود رہتے ہیں۔ طلباء اور اساتذہ کے لئے مکانات بنے ہوئے ہیں، باغ کے کنجوں میں سنگ مرمر کے فرش پر نہایت آزادی کے ساتھ علمی مشاغل میں منہمک نظر آتے ہیں۔"

سلطان محمد عادل شاہ جو سلطنت بیجاپور کا مشہور حکمراں گذرا ہے اس نے جو مدارس اپنے ممالک محروسہ میں قائم کئے تھے اُن میں حکومت کی جانب سے طلباء کو عام کھانے کے علاوہ روزانہ بریانی و مزعفر بھی دیا جاتا تھا اور فی طالب علم ایک طلائی سکہ جو "ہون" کے نام سے موسوم تھا ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، بستان السلاطین کے مصنف کا بیان ہے کہ:-

شاگرداں را از سفرہ آتش و نان بوقت صبح، بریانی و مزعفر بوقت شام نان گندم و کھچڑی و فی اسم یک ہون و بدون این کتابہائے فارسی و عربی مدد می نمایند"[1]

عہد اورنگ زیب کے مغربی سیاح کپتان الگزینڈر ہملٹن نے اپنے سفرنامہ میں سندھ کے ایک شہر ٹھٹہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہاں مختلف علوم و فنون کے چار سو مدرسے تھے۔"

یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ کے سلاطین و امراء اور علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں علم کی جو گراں قدر دمت انجام دی ہے وہ اپنی کثرت و وسعت اور نوعیت و عمومیت کے لحاظ سے تاریخ میں اپنی آپ مثال ہے گیارہویں صدی اور اس کے بعد کا زمانہ جس میں اسلامی سطوت و عظمت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی علمی سرگرمیاں بھی رخصت ہونے لگی تھیں اسی زمانہ میں دہلی کے تخت

---

[1] بحوالہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول ص ۳۴

پر محمد شاہ متمکن تھا جو تاریخ میں اپنے لاابالی پن، عیش و عشرت اور کثرت مے نوشی کے باعث ”رنگیلا بادشاہ“ کے بدنام لقب سے موسوم ہوگیا ہے، مگر بایں ہمہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مدرسہ جس کے علمی فیضان سے آج ہندوستان و پاکستان اور وسط ایشیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے، اسی ”رنگیلے بادشاہ“ کی علمی فیاضی کا مرہونِ احسان ہے! دار الحکومت دہلی کے مصنف کا بیان ہے کہ:-

”یہ مدرسہ کسی زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دار العلوم سمجھا جاتا تھا۔“[1]

دہلی میں مسجد فتح پوری کے قدیم مدرسہ کے علاوہ غازی الدین خاں فیروز جنگ کا مدرسہ جو اب عربک کالج کے نام سے موسوم ہے ہندوستان میں قدیم مدارس کی ایک زندہ یادگار ہے، اس کی وسیع اور عظیم الشان عمارت سے ہمارے امراء کے علمی ذوق اور عالی ہمتی کا فی الجملہ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔[2]

غازی الدین خاں فیروز جنگ نے سنہ ۱۱۲۰ھ میں وفات پائی، یہ نواب آصف جاہ اول بانی حکومت دکن کے والد بزرگوار تھے، انہی باقیات الصالحات میں سے فرنگی محل لکھنؤ کا مدرسہ نظامیہ بھی ہے جو اورنگ زیب کے زمانہ کی علمی یادگار ہے، افسوس ہے کہ مدرسہ نظامیہ کی اب وہ حیثیت باقی نہیں رہی ہے جو ابتداءً اس کو حاصل تھی تاہم ہندوستان کے قدیم مدارس کی فہرست میں اس کی علمی اور تاریخی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، درس نظامی جو آج ہندوستان کے کم و بیش تمام مدارسِ عربیہ میں رائج ہے اسی مدرسہ کے بانی ملا نظام الدین کا تجویز کردہ ہے

خلاصہ یہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے اواخر تک دنیا کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہ رہا تھا جس میں مسلمان ہوں اور وہاں دار العلوم اور مدارس قائم نہ ہوں، حجاز، شام، فلسطین، یمن، مصر، اندلس، ایران، خراسان، کابل، مراکش، سسلی، ہرات، نیشاپور، بغداد، اصفہان، طوس، قیروان، قرطبہ، سندھ اور ہندوستان وغیرہ ممالک کے شہر اور قصبے تو درکنار ایک ایک قریہ اور گاؤں مکتبوں اور درس گاہوں سے معمور نظر آتا تھا، اور قصبات

---

[1] دار الحکومت دہلی جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ [2] ہندوستان میں قدیم اسلامی مدارس کی تاریخ و تفصیل کے لئے مولانا ابوالحسنات صاحب ندوی کی تصنیف ”ہندوستان میں قدیم اسلامی درسگاہیں“ ملاحظہ کی جائے، موصوف نے اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ قدیم مدارس کی نشان دہی کی ہے، اور بڑی تلاش و تجسس سے قدیم مدارس کے حالات جمع کئے ہیں اپنے موضوع پر یہ کتاب ہندوستان میں پہلی تصنیف ہے۔

و دیہات تک میں مدارس کا جال بچھا ہوا تھا، گھر گھر علم کا چرچا تھا، مسجدیں اور خانقاہیں ہر وقت اہلِ علم کی آوازوں سے گونجتی رہتی تھیں اور ممالکِ اسلامی کے ذرہ ذرہ سے علم و فضل کا دریا ابل رہا تھا، ہر چند آج بھی اکثر ممالک میں تعلیم عام ہے۔ لیکن یہ محض ابتدائی تعلیم ہے اعلیٰ تعلیم جو کالجوں کے ساتھ مخصوص ہے وہ اس قدر گراں ہے کہ کم مایہ آدمی اس سے بہت ہی کم فائدہ اٹھا سکتے ہیں!۔

مسلمانوں کا ذوق علم حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا ذوق علم جو انھیں مذہبًا وراثت میں ملا تھا حکومتوں کے خزانہ کا بہت کم مرہونِ احسان رہا ہے، عام طور پر نامور علماء اور ائمۂ فن اپنے گھروں میں یا مساجد و خانقاہوں میں تعلیم دیتے تھے، وہ درس و تعلیم کے لئے مستقل عمارتوں کے محتاج نہ تھے، آبادی سے لے کر کھلے میدانوں تک ان کا دائرہ وسیع تھا، طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ ہر مسلمان مرد عورت پر بقدرِ ضرورت علم حاصل کرنے کی فرضیت نے حصولِ علم کا عام مذاق پیدا کر دیا تھا، علم کی اشاعت، طلباء کی امداد و اعانت کتب اور دوسری ضروریاتِ درس و تدریس کی فراہمی مدارس کی بنا و تاسیس، تعلیم و تعلّم کے لئے جائیدادوں کا وقف علماء اور طلباء کی مالی اعانت، خیر و برکت اور فلاحِ دارین کا باعث سمجھا جاتا تھا، علم کی اشاعت اور اس کی ترقی کے لئے وسائل مہیا کرنا دوسری ضروریات کی طرح ان کی زندگی کا لازمی اور ضروری جزو بن گیا تھا!۔

اس زمانہ میں طلباء کے قیام و طعام کا جو طریق رائج تھا اس کی نسبت مولانا غلام علی آزاد بلگرامی مآثر الکرام میں تحریر فرماتے ہیں:

صاحب توفیقان ہر معمورہ طلباء علم را در نگاہ می دارند	اہل ثروت طالبانِ علم کو نگاہ میں رکھتے اور ان کی خبر گیری
و خدمت ایں جماعت را سعادت عظمیٰ می دانند	اور امداد کو اپنے لئے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

اس زمانہ میں چونکہ تعلیم و تدریس کا کام مساجد سے لیا جاتا تھا۔ اس لئے قدیم مساجد میں اکثر و بیشتر ایسی عمارتیں ضرور بنائی جاتی تھیں جو درس و تدریس اور طلباء کے قیام کے لئے کام میں آسکیں مصر میں جامع ازہر اسی طرز کی مسجد ہے، خود ہندوستان کے شہروں اور قصبات میں بکثرت ایسی مساجد موجود ہیں جن کے تین اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجروں کا وسیع سلسلہ نظر آتا ہے دہلی میں مسجد فتحپوری جو

• مآثر الکرام جلد اول ص ۲۲۲

شاہجہاں کے عہد میں تعمیر ہوئی اس طرز کی قدیم یادگار ہے اس کے وسیع صحن کے گرد جو حجرے اور دالان بنے ہوئے ہیں وہ آج بھی درس و تدریس اور طلبا کی اقامت گاہ کے طور پر کام میں آتے ہیں۔

اس زمانہ کی مساجد کی نسبت ابن حوقل (جو چوتھی صدی ہجری کا مشہور سیاح ہے) اپنے چشم دید حالات یہ بیان کرتا ہے کہ "بالعموم مسجدوں میں علما و فقہا کا ایک بڑا گروہ مقیم رہتا ہے اور ان علما و فقہا سے استفادہ کرنے والوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ جس مسجد میں بھی چلے جایئے کھوے سے کھوا چھلتا نظر آئے گا"[1]

"شخصی حلقہ ہائے درس" میں ہمارے قریب ترین زمانہ میں حضرت مولانا نانوتویؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے حلقہ درس کی یادگاریں اب تک موجود ہیں، حضرت نانوتویؒ تمام عمر مطابع میں تصحیح کتب کا کام کرتے رہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ ہمیشہ درس و تدریس کی مجلس بھی منعقد رہتی تھی، چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ نے تصحیح کتب ہی کے زمانہ میں حضرت نانوتویؒ سے کتب حدیث کی تکمیل کی ہے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے خود سوانح قاسمی میں لکھا ہے کہ انھوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم حضرت نانوتویؒ سے مطبع ہاشمی میرٹھ کے قیام کے زمانہ میں پڑھی تھی۔[2]

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا حلقہ درس خانقاہ میں ہوتا تھا، جہاں سے سینکڑوں ہزاروں طلبا عالم بن کر نکلے، خانقاہ میں ایک وقت درس و تدریس کی مجلس منعقد ہوتی تھی تو دوسرے وقت تزکیۂ اخلاق اور تذکیر نفس کے حلقے قائم ہوتے تھے اور اس طرح علم الحدیث کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ امراض باطن کا دار العلاج بھی اپنا کام کرتا رہتا تھا،

مسلمانوں کی علمی تاریخ کی یہ نمایاں خصوصیت رہی ہے جس میں کوئی قوم ان کی حریف نظر نہیں آتی کہ تعلیم مدرسوں، مسجدوں اور مشہور و معروف علما ہی کے ساتھ مخصوص و محصور نہ تھی بلکہ ہر طبقہ کے لوگ اہل منصب سے لے کر امرا و وزرا تک تعلیم و تعلم کا ذوق رکھتے تھے، علم الصیغہ اور تاریخ حبیب الہ کے مصنف مفتی عنایت احمد صاحب جو عدالت دیوانی میں ایک بڑے عہدہ پر فائض تھے، عدالت میں

---

[1] سفرنامہ ابن حوقل صفحہ ۳۲۵۔

[2] سوانح قاسمی ص۲۰ و ص۲۱

بھی شاگردوں کا مجمع ساتھ رکھتے تھے، دوران مقدمات جہاں ذرا فرصت ملتی درس شروع ہو جاتا تھا،[1] شیخ الرئیس وزارت کے کثیر الاشتغال اوقات میں بھی وقتاً فوقتاً طلباء کو درس دیتا رہتا تھا، یہی حال میر فتح اللہ شیرازی کا تھا جو اکبر کے عہد میں وزارت کے منصب پر فائز تھا،[2]

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان سے لے کر اندلس تک ایشیا، افریقہ اور یورپ تینوں براعظم مسلمانوں کے علوم وفنون سے منور اور روشن تھے ان کی ہر وہ بستی جس میں مسلمان موجود تھے علوم وفنون کا مرکز بنی ہوئی تھی تاریخ کے بے شمار اوراق ان مدارس کے حالات سے معمور ہیں جو قرطبہ، صقلیہ، ٹیونس، مراکش، مصر، یمن شام، حجاز، ترکی، ایران، ماوراء النہر، عراق، افغانستان اور ہندوستان کے چپہ چپہ پر قایم تھے۔

پھر جس طرح تعلیم دینے والے عام تھے اسی طرح حصولِ علم پر بھی کوئی پابندی عائد نہ تھی، ہر وہ شخص جس میں اکتسابِ علم کا کچھ بھی ذوق ہوتا بلا کسی رکاوٹ کے علم حاصل کر سکتا تھا، عمر اور پیشہ کی بھی کوئی قید نہ تھی، امیر وغریب آزاد وغلام کا کوئی امتیاز نہ تھا، طلباء کے ہر قسم کے مصارف کا بندوبست مقامی امراء و رؤسا کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ اس بناء پر ہر شخص گو وہ کیسا ہی کم مقدور کیوں نہ ہو بلا تکلف اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کی علمی تاریخ میں ایسے بے شمار علماء و فضلا موجود ہیں جو آبائی طور پر مختلف پیشوں سے تعلق رکھتے تھے، پیشوں میں ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی تخصیص نہ تھی، طلباء کے علمی ذوق کا یہ عالم تھا کہ اربابِ فضل وکمال سے براہ راست استفادہ کرنے کے لئے مہینوں کی مسافتیں قطع کر کے مشرق و مغرب کی بادیہ پیمائی کرتے اور حتی الامکان اربابِ علم وفضل کی خدمت میں حاضر ہوتے، علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں ایسے بہت سے علما کے حالات بیان کئے ہیں جو ذوقِ علم کی خاطر اندلس سے مصر و شام اور بغداد یا ان مقامات سے اندلس وغیرہ دور دراز مقامات و ممالک میں پہنچے اور سچ تو یہ ہے کہ اس راہ کی دشوار گزار بادیہ پیمائی میں کوئی قوم ہمارے اسلاف کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی !!

کے ایک شاگرد مولوی سید حسین شاہ بخاری کا بیان ہے کہ دوران مقدمہ میں فرصت ملتی، اشارہ
ع کر دیتا، اسی اثناء میں پھر کام میں مصروف ہو جاتے، اس مصروفیت کے باوجود ایسا پڑھاتے
ی عمر یاد رکھتا۔ استاذ العلماء مصنفہ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی ۵ [2] منتخب التواریخ صفحہ ۳۱۶